علی علیہ السلام بحیثیت حاکم

حکیم الامت علامۂ ہندی مولانا سید احمد نقوی مجتہد طاب ثراہ

جمہوریت، ڈکٹیٹری، وفاقی، خودمختاری، نظام فسطائی، کمیونزم، نازیت —— کوئی نظام حکومت کامیاب نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو ہماری کتاب کمیونزم و اسلام، اسلام دین فطرت) جب تک اس کی بنیادیں خالص محبت عقلائی پر قائم نہ ہو جو اساس ایثار و قربانی و عدالت کا ہے ورنہ ملک میں امن وامان مفقود ہوگا۔ فتنہ وفساد کا بازار گرم رہے گا۔ شورش اور انقلابات سے ملک میں ہر آن ہیجان رہے گا، تجربات شاہد ہیں۔

بہ نسبت افراد کے برسر اقتدار جماعت (اگر پارلیمنٹری حکومت ہے) اور ڈکٹیٹری اور شخصی حکومت ہے تو حاکم وڈکٹیٹر کے لئے روح کی پاکیزگی، جذبات کی لطافت، احساس ہونا لازمی ہے۔ علی مجسمۂ محبت ہیں اس لئے ان کی حکومت اور تمدنی زندگی کو اجمالاً سنو۔

بیوہ ویتیم!

وہ حاکم کوفہ و مدینہ شبہائے تار میں تنگ وتاریک گلیوں میں پھر کر بیواؤں، یتیموں، مصیبت زدوں کو تلاش کرتا پھرتا ہے۔ کاندھے پر زنبیل میں روٹی خرما لادے گھر پہنچاتا ہے۔ بوڑھی، بیوہ کی مشک کاندھے پر لاد کر گھر پہونچاتا ہے اور تنور روشن کرتا جاتا اور افسوس کرتا ہے کہ بہت دیر میں بیوہ کی خبر گیری کی۔

مریضوں کا خیال

رسول زادی نے حسب الحکم رسولؐ کبھی کوئی فرمائش شوہر سے نہ کی تھی۔ اب حالت مرض میں خود علی کے اصرار سے انار کی فرمائش کی، بے فصل انار کا ملنا ہی دشوار تھا، بدقت ایک انار دستیاب ہوا، بازار سے لیکر چلے۔ راستہ میں ایک مریض کی ایک گڑھے سے کراہنے کی آواز سنی، بے چین ہوکر گڑھے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک بیمار وعلیل کو دیکھا، سر اس کا اپنے زانو پر رکھا نہایت محبت سے پوچھا ''کسی چیز کے کھانے کو دل چاہتا ہے؟'' مریض نے انار کی فرمائش کی۔ اب علیؑ کو کب تاب تھی! انار چھیل چھیل کر اپنے ہاتھ سے دانے مریض کے منہ میں دئے اور خالی ہاتھ گھر واپس آئے۔

دوستوں کا خیال

بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، کئی دن کا فاقہ ہے، کچھ پیسہ فراہم ہوتا ہے، بازار سے غلہ لینے جاتے ہیں۔ راہ میں جناب مقداد کو بھوکا فاقے سے بے حال دیکھ کر بیتاب ہوجاتے ہیں اور پیسہ مقداد کے حوالے کردیتے ہیں۔

جناب ابوذر خلیفہ عثمان کے حکم سے شہر بدر کئے جاتے ہیں اہل مدینہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ کوئی ابوذر کو رخصت نہ کرے۔ علیؑ اپنے دونوں فرزندوں کو لے کر رسولؐ کے اس جلیل القدر بوڑھے صحابی کو بے باکانہ روتے ہوئے وداع کرتے ہیں اور وزیر اعظم مروان کے حکم خلافتی سنانے کے باوجود پرواہ نہیں کرتے۔

دشمنوں کا خیال

خلافتوں کی ستم آرائیاں تاویلوں کے پردے میں پوشیدہ نہیں رہ سکتیں۔ لیکن ہر آڑے وقت میں ہر ایک کے علی کام آئے خلیفہ عثمان کو کوفے اور بصرے والوں نے جب گھیرا، علی ہی تھے

جنہوں نے خلیفہ کو مواعظ ونصیحت فرمائی اور نیک مشورے دئے۔اور بشری کمزوری جو ہر انسان کو دشمن کے ساتھ حسن سلوک سے مانع ہوتی ہیں، کبھی علی نے خیال نہ فرمایا۔کسی بہادر وقوی پہلوان کو زیر کر کے قتل کر دینا اتنا اہم نہیں ہے، جتنا ایک جنگجو زبردست دشمن کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے گستاخانہ لعاب دہن کو پھینکنے کے بعد سینہ سے ہٹ جانا۔ اور دوبارہ اس کو مغلوب کر کے قتل کرنا ہے۔دشمنوں کو قتل کے بعد ان کے دست و پا ک نہ کاٹنا اور منع کرنا، اسی طرح بھاگتے ہوؤں کا پیچھا نہ کرنا، عورتوں، بچوں سے مزاحمت نہ کرنا، دشمنوں کی زراعت کو تباہ و برباد نہ کرنا، کنوؤں میں زہر ملانے کی ممانعت فرمانا۔ یہ ہے علیؑ کی پاکیزہ دلی اور دشمنوں سے محبت!!

قاتل کا خیال

علی منافقوں اور خارجیوں کی تمام ریشہ دوانیوں سے خبردار تھے۔ابن ملجم قاتل کو خود خبر دیتے اور فرماتے کہ تو میرا قاتل ہے۔لوگ عرض کرتے ہیں کہ ہم کو حکم ہو اس کو قتل کر دیں۔جواب میں فرماتے ہیں کہ قبل ارتکاب جرم سزا کیسی۔ مجروح ہونے کے بعد اسی قاتل پر یہ مہربانی کہ ویسا ہی کاسئہ شیر پلوائیں جیسا کہ خود پیا تھا۔ وصیت میں فرمادیں ''اے حسن میں زندہ رہا تو اختیار ہے کہ اس کو بخش دوں یا سزا دوں لیکن اگر مرگیا تو خبردار ایک ضربت سے زیادہ ضربت نہ لگانا، اس کے دست و پا، کان وناک ہرگز نہ کاٹنا اور عفو کر دو تو بہتر ہے۔''

اللہ اللہ جرم وسزا کو برابر سمجھنا بالخصوص اس وقت جبکہ خود اپنے اوپر ظلم ہوا ہو اور مظلوم کے قبضہ میں ظالم ہو۔!! کیا تاریخ اس کی نظیر پیش کرتی ہے؟

علیؑ کا خزانہ

بیت المال میں جو جمع ہوتا تھا علی مساویانہ طور پر تقسیم کر دیتے اور بیت المال میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ایک روز مال غنیمت میں ایک روٹی آئی، آپ نے اس کے بھی ٹکڑے کر کے تقسیم کر دئے۔

شب کے وقت بیت المال کا حساب کر رہے تھے عمروعاص نے آپ سے بات کرنا چاہی۔علیؑ نے چراغ گل کر دیا کہ یہ بیت المال کا تیل ہے لہٰذا نہ صرف ہو۔

آپ کے بھائی عقیل نے بیت المال سے قبل تقسیم اپنا حصہ طلب کیا اور نہایت محتاجی کا شکوہ کیا اور اصرار کیا کہ قبل تقسیم و خیرات عقیل کا حصہ دیدیں۔علیؑ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ عقیل کا ہاتھ تھام کر بازار لے جاؤ اور دوکانوں کے قفل توڑ ڈالو تاکہ عقیل دوکانوں کا مال لوٹ لیں۔عقیل نے عرض کی آپ مجھ کو چوری کرنا سکھاتے ہیں۔جناب امیرؑ نے جواب دیا ''اے عقیل تم مجھ کو چوری کرنا سکھاتے ہو تاکہ میں مسلمانوں کا مال تم کو دیدوں۔'' عقیل خفا ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں معاویہ کے پاس چلا جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے۔

حقوق رعایا کی نگرانی

ابی مطر مصری ناقل ہیں کہ کسی کی کنیز نے ایک دوکاندار سے ایک درہم کی کھجور خریدی۔ مالک نے ناپسند کی اور دام واپس لانے کو کہا، دوکاندار نے واپسی سے انکار کیا، کنیز بازار میں مالک کے خوف سے کھڑی رو رہی تھی، جناب امیر نے دوکاندار سے سفارش کی ''کنیز مجبور ہے کھجوریں واپس لے لے'' کھجور والے نے علیؑ کو نہ پہچانا اور دھکا دیا ـــــ علی خاموش ہٹ گئے۔جب کھجور والے کو معلوم ہوا کہ یہ امیر المومنین تھے، معذرت کرنے لگا اور عرض کی کہ آپ مجھ سے راضی ہوجایئے۔فرمایا ''میری رضا اسی میں ہے کہ تو لوگوں کے حق

کا خیال رکھا!''

بازار کوفہ میں گشت کرتے ، گم کردہ راہ کو راستہ بتاتے ، بوجھ اٹھواتے اور اپنے گھر والوں کے لئے ایک درہم کے خرمے خرید فرما کر پشت پر لاد کر گھر لاتے ۔ ابو صالح کے دادا نے چاہا کہ خود بوجھ لے لیں ۔ فرمایا ''بچوں کا باپ بھی ان کھجوروں کے اٹھانے کا حقدار ہے۔''

درزی کی دوکان پر جاتے اور فرماتے ''کپڑا مضبوط سیا کرو اور کترن وچھٹن مالک کو واپس کیا کرو'' قصاب کو حکم ہوتا کہ کلیجی میں ہوا بھر ہو خریدار کو دھوکا نہ دیا کرو، مچھلی والوں کو حکم ہوتا کہ حرام مچھلی نہ بیچا کرو۔

عاملوں کو ہدایت

مالک اشتر کو ایک بہت طولانی خط جناب امیر نے لکھا ہے جس میں جہانداری و جہانبانی پر مفصل بحث فرمائی ہے اور حکومت کرنے کے قواعد و اصول وضوابط بتائے ہیں ۔ اسی خط میں آپ فرماتے ہیں ''تم کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ والی و حاکم کے بعض رشتہ دار مخصوص ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو دوسروں پر مقدم کریں، لوگوں کے اموال پر دست درازی کریں اور ناانصافی کریں۔ضرورت ہے کہ ان کی خواہشات کے اسباب کو قطع کر دیا جائے ۔ اپنے عزیزوں کے لئے جاگیر مقرر نہ کرو اور کسی ایسی زمین کے مل جانے کی طمع نہ دلاؤ جس سے قرب و جوار میں بسنے والوں کو سیرابی زمین یا کسی مشترک کام میں ضرر پہونچتا ہو ۔ ایسے لوگ خود تو خوشگوار نفع اٹھائیں گے اور تم دنیا وآخرت میں عذاب میں گرفتار رہو گے ۔ تم کو سب سے زیادہ یہ بات محبوب ہونی چاہیئے جو سب سے زیادہ حق سے قریب ہو اور عدل کے لحاظ سے سب سے زیادہ عام اور تمام رعایا کی رضامندی کا باعث ہو کیونکہ عوام کی ناراضی خواص کی رضامندی کو بے تاثیر بنا دیتی ہے اور اگر عوام راضی ہیں تو خواص کی رضامندی قابل التفات نہیں ہوتی ۔ تمام رعایا میں خواص ہی وہ گروہ ہے جو ذیل کی بری خصلتوں کا حامل ہوتا ہے:

۱۔ فراخ حالی میں حاکم کے لیئے بار خاطر ہوتے ہیں

۲۔ بلا ومصیبت میں کم مدد دیتے ہیں

۳۔ انصاف سے پہلوتہی کرتے ہیں

۴۔ اپنی خواہشوں کے منوانے پر اصرار ہوتا ہے

۵۔ عطایا ملنے پر بہت کم شکر گذاری کرتے ہیں

۶۔ اگر ان کو کچھ نہ دیا جائے تو عذر ومعذرت سننے پر سستی کرتے ہیں اور

۷۔ زمانے کے حوادث پر صبر کرنے میں نہایت کمزور ہوتے ہیں۔

یہ فقط عوام الناس ہی ہیں جو دین کا ستون بنتے ہیں ۔ مسلمانوں کا نظام ان سے درست رہتا ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں تیار فوج کا کام کرتے ہیں ۔ اس صورت میں تم کو صرف عامۃ الناس ہی کی حالت سدھارنا اور انہیں کی طرف لگے رہنا چاہیئے ۔''

یہ نچوڑ ہے سیاست علوی ومعاشرت تمدنی کا جس کو مارکسؔ ولینن ؔ، رنجلیز ؔ واسٹالن ؔ نے غلط طور پر سمجھا اور دنیا کو ناامنی کے گڑھے میں ڈھکیل دیا ۔ یہ تعلیم لیبر تحریک کی جان ہے اور دیہات سدھار کی صحیح راہنمائی ہے۔

ملکی آمدنی

اپنے شاگرد ابن عباس کو تحریر فرماتے ہیں:

''مجھکو تمہاری نسبت خبر ملی ہے کہ اگر سچ ہے تو تم نے

خدا کو اپنے سے ناراض کرلیا ہے۔ اپنے امام کی نافرمانی کی، امانت میں خیانت کی، زمین کو خراب کیا، جو کچھ تمہارے زیر قدم تھا وہ لے لیا، جو تمہارے ہاتھوں میں تھا وہ کھا گئے لہٰذا اپنا حساب میرے سامنے پیش کرو اور جان لو کہ خدا کا محاسبہ انسان کے محاسبہ سے عظیم تر ہے۔''

دوسرے خط میں ابن عباس کو تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے تم کو اپنا شریک امانت بنایا تھا اور اپنے خاص لوگوں میں تم کو شامل کیا تھا۔ جب تم نے یہ دیکھا کہ تمہارے بھائی (علی) پر زمانہ سخت آ گیا، دشمن برسرپیکار ہے اور قوم بیباک اور خیر سے دور ہے، تم نے بھی ڈھال کا رخ پلٹ دیا۔ جب امت کے مال میں خیانت کی تم کو قدرت مل گئی تو تم نے جلدی سے حملہ کر دیا اور تیزی سے دوڑ پڑے اور جہاں تک تم سے ہو سکا بیواؤں اور یتیموں کے اموال تم لے بھاگے جس طرح تیز اور چالاک بھیڑیا زخمی کمزور بکریوں کو اچک لے جاتا ہے۔ تم خوش خوش اس مال کو حجاز لے بھاگے اور اس دست برد سے تم کو گنہگار ہونے کا خیال نہ ہوا ہو گویا یہ تمہارے ماں باپ کی میراث تھی۔ کیا تم کو روز قیامت پر بالکل اعتقاد نہیں ہے۔ اور اس دن کے حساب و کتاب کا تم کو بالکل خیال نہیں ہے بخدا اگر حسنؑ وحسینؑ بھی ایسا کام کرتے جو تم نے کیا ہے تو ان کے لئے میرے نزدیک نرمی کرنے کی گنجائش نہ تھی میں ضرور ان سے وہ حق لے کر رہتا اور باطل کو مٹاتا۔''

علیؑ کی نظر میں سرمایہ دار

جناب امیرؑ بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: ''اے ابن حنیف مجھکو خبر ملی ہے کہ بصرہ کے نوجوانوں میں سے کسی شخص نے تم کو دعوت دی۔ تم وہاں بڑے شوق سے گئے، طرح طرح کے نفیس کھانے کھائے مجھکو یہ خیال بھی نہ تھا کہ تم اس قوم کی دعوت قبول کرو گے جو مسکینوں، غریبوں سے تو بھاگے اور امیروں کو دعوتیں کھلا دے۔ تم کو آئندہ لازم ہے کہ جو کچھ کھاؤ اس پر نظر رکھو جس کے حلال وحرام ہونے میں شبہہ ہو اس کو نکال پھینکو اور جس غذا کے پاک و پاکیزہ ہونے کا یقین ہو وہی کھاؤ۔ دیکھو ہر ماموم کے لئے ایک امام ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرے اور جس کے نور علم سے روشنی حاصل کرے۔ آگاہ ہو تمہارے امام نے مال دنیا میں سے فقط دو پرانی چادریں اور کھانوں سے محض دو روٹیوں پر اکتفا کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ تم اس زہر کھانے پر قادر نہیں ہوتا ہم پرہیزگاری، پاکدامنی، راست روی سے میری مدد کرتے رہو خدا کی قسم میں نے تمہاری دنیا میں سے سونا چاندی جمع نہیں کیا اور نہ اس کی غنیمتوں میں سے کچھ اکٹھا کیا ہے۔

اگر میں چاہتا تو میں بھی اس صاف ومصفا شہد اور خالص گیہوں، ریشمی کپڑوں سے فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہوتی کہ میرا نفس مجھ پر غالب آ جاتا اور حرص اچھے کھانوں کی طرف کھینچ لے جاتی درآنحالیکہ حجاز و یمامہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو ایک روٹی کا بھی سہارا نہیں ہے اور شکم سیری سے وہ آشنا نہیں اور میں پیٹ بھر سورہوں اور بھوکے پیٹ اور جلے ہوئے جگر میرے گرد جمع وموجود ہوں۔ کیا میں اپنے نفس کے لئے بس اس پر قناعت کرلوں کہ مجھے لوگ امیر المومنین سمجھیں اور میں ان کی تکالیف وشدائد میں ان کا شریک اور سختی وبدحالی میں ان کا پیشوا نہ بنوں۔''

بیشک علی مرتضیٰؑ کے ہاتھوں حدود قصاص بھی جاری ہوئے، مشرکین وکفار کو بھی علی مرتضیٰؑ نے قتل کیا ہے۔ آپ کے فیصلوں میں عدالت وتادیب بھی تھی اور وہ نظام حب کے ساتھ نظام عدل کے لئے نظام محبت پر محض عامل رہے۔ البتہ دوسروں کے معاملات میں عدالت برتتے تھے اور اس عدالت میں بھی جذبۂ محبت غالب ہوتا تھا

بقیہ صفحہ ۴۷ پر

ترقی پسند اور وسیع النظر اشخاص کے ساتھ کلیسا کا یہ سلوک تھا۔

ظاہر ہے کہ یورپ کی ترقی اور کامیابی کا راز اس ادارے کی قید سے آزادی اور نجات میں پوشیدہ تھا جس نے دین اور آسمانی قوانین کے نام پر علمی ترقی کا راستہ روک رکھا تھا۔

تاہم جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے درمیان ایسے غم انگیز حوادث بطور نمونہ بھی دیکھنے میں نہیں آتے اور جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اسلام محض علم و دانش کا مویّد ہی نہیں بلکہ لوگوں کو علم حاصل کرنے کا شوق دلاتا ہے اور ان کی پشت پناہی کرتا ہے۔

لہٰذا یہ خیال کہ مذہب قوموں کی ترقی میں مانع ہے کلیسائی مذہب کے بارے میں تو درست ہے لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ کہنا ایک بہت بڑی دشمنی ہے جو ہمارے دشمن، مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کررہے ہیں تاکہ ہمیں لاپروا اور سرکش بنا کر اپنے استعمار پسندانہ مقاصد میں کامیاب ہوسکیں۔

ان حالات میں سب مسلمانوں کا یہ قطعی اور لازمی فریضہ ہے کہ اس پروپیگنڈے کا مقابلہ کریں اور اسلام کے نورانی حقائق کو جو انسانیت، فضیلت، ترقی اور سربلندی کی روح کو پروان چڑھاتے ہیں معاشرے میں رائج کریں اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنی ذمے داری پوری کریں۔

بقیہ علی علیہ السلام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جس میں مخلوق کی بھلائی مضمر ہوتی تھی مثلاً ایک مریض کو آپریشن کی ضرورت ہے جسمیں مریض کی جان کا بھی خطرہ ہے لیکن ڈاکٹر اور مریض کے ورثاء اس امید پر کہ مریض کی جان بچ جائے آپریشن کرتے ہیں جسمیں مریض کی خیرخواہی و محبت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے علیؑ کی تادیبی عدالت حدود و قصاص، امراض اخلاقی کے لئے بطور آپریشن کے تھی جو مخلوق خدا کی بھلائی کی غرض سے تھی اور مظاہرۂ محبت تھا۔ اس کے علاوہ علی مرتضی کی عدالت محض خدا کی محبت کی وجہ سے تھی اور ظاہری کوئی سختی اور تشدد ہو مالک کے حکم کی تعمیل ہے جسمیں مرضیٔ خداوندی کے مقابل میں ماسوا اللہ بے حقیقت ہے۔ جیسا کہ انجیلی مسیح ایک مقام پر حکم دیتا ہے کہ ''ایک گال پر جو طمانچہ مارے دوسرا گال بھی اسی کی طرف کردو اور جو ایک میل جائے اس کے ساتھ دو میل چلے جاؤ''

دوسرے موقع پر فرماتے ہیں ''میں صلح کرانے نہیں تلوار چلانے آیا ہوں'' عدالت ہی کیا مظاہر محبت میں سے ایک مظہر ہے جو ایک کے لئے اگر سیاست ہے تو دوسری حیثیت سے اسی کے حق میں محبت ہے۔

دیکھو محبت کی ضد نفرت و بغض و عداوت ہے اسی طرح سے عدالت کی ضد بھی نفرت و بغض و عداوت ہے۔ ناانصافی، ظلم و تشدد جس طرح سے خلاف عدالت ہے اسی طرح سے خلاف محبت ہے۔ اگر عدالت و محبت میں تباین ہوتا تو ایک دوسرے کے ساتھ جمع بھی نہ ہو سکتے۔ بیشک محبت حیوانی اور محبت غیر صحیحہ تو ضد عدالت ہے لیکن محبت صحیحہ عقلائی عین عدالت ہے۔ نفرت و بغض و عداوت جن اوقات میں محبوب ہے وہ عین عدالت ہے اور محبت صحیحہ عقلائی درحقیقت وہی ہے کہ نفرتی چیزوں سے متنفر رہو اور مبغوض چیزوں سے بیزار رہو اور یہی عین عدالت ہے۔ لہٰذا علوی معاشرت جہاں محبت ہے وہاں عین عدالت بھی ہے۔